کشمیر کی سرگذشت

مسئلے کی بنیاد اور تنازعے کا باعث

(۱)

مسئلے کی بنیاد

سیدھے سادے الفاظ میں پاکستان کا مؤقف یہی رہا ہے کہ قومی زندگی کے جس پہلو سے بھی دیکھا جائے یعنی نسلی، تاریخی، جغرافیائی، اقتصادی یا کلیدی —— وہ ساری باتیں جو ۱۹۴۷ء میں بھی برِ صغیر تقسیم کی بنیاد قرار دی گئی تھیں، ریاست جموں و کشمیر کا حقیقی تعلق پاکستان ہی سے ہے۔ یہ بات اس قدر واضح ہے کہ پاکستان محسوس کرتا ہے کہ عوام کی اپنی مرضی کے سوائے اور کوئی چیز اس پر غالب نہیں آ سکتی۔

کشمیر تین طرف سے پاکستان کے ساتھ متصل ہے اور اگر یہ بھارت سے بھی متصل ہے تو صرف تیس ۳۰ میل کے علاقے کی حد تک (اور یہ بھی اس طرح ممکن ہوا کہ ابتداء میں تقسیم کا جو پلان تھا اس کو دھاندلی سے بدل کر گورداسپور کا ضلع جس میں مسلمانوں کی اکثریت تھی بھارت کے حوالے کر دیا گیا) سال بھر ہر موسم میں جاری رہنے والی واحد سڑک ہمالیہ کی سدگراں سے گزر کر جنوب اور جنوب مغرب کو جاتی ہے وہ پاکستانی علاقے ہی میں جا نکلتی ہے۔ رہا جموں کا میدان، تو اس کا دامن صریحاً مغربی پاکستان ہی سے وابستہ ہے۔

وہ تمام دریا جو پاکستان کی معیشت کے لیے نہایت اہم ہیں اُن کے منبع ریاست ہی میں ہیں۔ اس لیے اگر کوئی دشمن طاقت کشمیر پر متصرف ہو تو وہ پاکستان کو بے انتہا نقصان

پہنچا سکتی ہے۔ چونکہ مغربی پاکستان کلیدی حیثیت سے بھی ایسی طاقتوں سے گھرا ہے جو ہمیشہ دوستانہ نہیں ہوتیں، اس لیے کشمیر جو اس کے شمال مشرق میں ہے، اس کے تحفظ کے لیے اہم ہو گیا۔

سب سے وقیع بات یہ ہے کہ ریاست کے ۸۰ فی صد باشندے مسلمان ہیں۔ اس لیے یہ تقسیم کے خمیر ہی میں شامل تھا کہ کشمیر پاکستان کا حصّہ بنے۔ عوام کی مرضی بھی یہی ہوگی، جسے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ وہ پاکستان سے جو مسلمان ہے شامل ہو نہ کہ بھارت سے، خواہ وہ ہندو ہو یا لادینی ــــ ریاست کے بیشتر حصّے پر قابض ہونے کے بعد بھارت نے ہر اہم قومی اور بین الاقوامی مقام سے اقرار کیا ہے کہ الحاق، عارضی ہے اور آخری فیصلہ عوام کی مرضی کی بناء پر کیا جائے گا جس کا وہ براہِ راست اظہار کریں گے۔

کشمیر کا معاملہ بعض اہم اعتبارات سے جوناگڑھ اور حیدر آباد کا اُلٹ رہا ہے۔ ان ریاستوں کی بیشتر آبادی ہندو تھی اور حکمران مسلمان تھے۔ ان کے حکمرانوں کے فیصلوں کو مسترد کرنے اور ان کے خلاف فوجی کارروائی کرنے میں بھارت کا موقف یہ تھا کہ وہ عوام کی مرضی کی نمائندگی نہیں کرتے۔

دوسرے یہ دونوں ریاستیں بھارت سے متصل تھیں نہ کہ پاکستان سے۔ ان کے برعکس کشمیر، جیسا کہ بیان کیا گیا ہے۔ بھارت سے بجز ایک چھوٹے سے حصّے کے، پاکستان ہی سے متصل ہے۔

بھارت کا کشمیر کے بارے میں موقف یہ ہے کہ وہ اس کا اٹوٹ حصّہ بن چکا ہے۔ کیونکہ:۔

۱۔ مہاراجہ نے اکتوبر ۴۷ء کو باقاعدہ بھارت سے الحاق کر لیا تھا۔

۲۔ ریاست کے عوام کی مرضی آگے ہی حسب ذیل طریقوں سے ظاہر کی جا چکی ہے:۔

(ا) دو عام انتخابات کے ذریعہ جو ریاست میں ہوئے۔

(ب) انضمام کے بارے میں ایک قرارداد کے ذریعے جو ریاست کی دستور ساز اسمبلی نے منظور کی۔

۳۔ رائے شماری میں جو کشمیر میں اسی طرح واجب نہیں رہی جس طرح بہ بمبئی، بنارس یا بھارت میں یا کہیں اور واجب نہیں۔

۴۔ کوئی اور رائے شماری فرقہ وارانہ فسادات پیدا کرے گی۔

۵ بھارت کبھی دو قومی نظریہ کا حامی نہیں ہوا اور بھارت میں مسلم اکثریت کا حامل کشمیر بھارت کے سیکولر یعنی غیر مذہبی ہونے کی علامت ہے۔

ان دلائل کا بہ آسانی جواب دیا جا سکتا ہے۔

اوّل، مہاراجہ کا بھارت سے الحاق جائز نہیں کیونکہ:۔

(ا) جب اس نے یہ الحاق کیا، اس میں اور پاکستان میں پہلے ہی سٹینڈ اسٹل معاہدہ موجود تھا۔ بنا بریں اس کے یک طرفہ طور پر موجودہ صورت حال کو تبدیل کرنے میں قانونی رکاوٹ تھی۔

(ب) جب مہاراجہ نے الحاق پیش کیا تو وہ بھاگ رہا تھا اور ریاست کے ایک بڑے حصے پر اس کا اقتدار نہیں رہا تھا۔

(ج) الحاق عوام کی مرضی کے خلاف تھا اور اس کو اب بھی عملاً ثابت کیا جا سکتا ہے۔

(د) جوناگڑھ نے ایسا ہی الحاق (پاکستان سے) کیا تھا، اگرچہ وہ بڑے ہی معتدل حالات میں تھا۔ پھر بھی بھارت اسے چپکے سے قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوا۔

(ہ) کشمیر کا الحاق قبول کرتے ہوئے بھارتی گورنر جنرل اور اس کے وزیر اعظم نے اسے عارضی الحاق قرار دیا۔ قانون میں عارضی الحاق کوئی وجود نہیں رکھتا۔

(و) الحاق کو عارضی قرار دے کر اس وقت کے گورنر جنرل، وزیر اعظم اور بعدہٗ

دوسرے بھارتی لیڈروں نے وعدہ کیا ہے کہ اس مسئلہ کا آخری فیصلہ ریاست کے عوام خود کریں گے ۔

دوسرے، ریاست کے عوام نے اپنی مرضی عام انتخابات کے ذریعے ہرگز ظاہر نہیں کی، اور نہ دستور ساز اسمبلی کے ذریعے، کیونکہ :۔

(الف) ان انتخابات میں الحاق کا سوال نہیں اٹھایا گیا تھا ۔

(ب) جیسا کہ تمام قابل اعتبار بیانات سے معلوم ہوتا ہے ۔ انتخابات نہ آزادانہ تھے نہ منصفانہ ۔ (کشمیر میں صرف ایک ہی پارٹی تھی ۔ ۱۹۵۷ء کے انتخاب میں نیشنل کانفرنس نے ۲۷ میں سے جو ۵۹ نشستیں حاصل کی تھیں، وہ بلا مقابلہ تھیں ۔ ۱۹۶۲ء کے انتخاب میں ۳۴ نشستیں بلا مقابلہ تھیں ۔ علاوہ ازیں تشدد کشمیر کی سیاسی زندگی کا مستقل عنصر رہا ہے)

(ج) ریاست کی دستور ساز اسمبلی نے 'الحاق' کی درستی کی قرارداد شیخ عبداللہ کی گرفتاری کے بعد منظور کی اور یہ اراکین کو رشوت دے کر اور ان پر دباؤ ڈال کر منظور ہوئی ۔

تیسرے، کشمیر کا انڈین یونین کے دوسرے حصوں سے موازنہ نہیں کیا جا سکتا جس کی سیدھی سادی وجہ یہ ہے کہ تقسیم کے پلان میں یہ اتفاق کیا گیا تھا کہ جو علاقے برطانوی ہند کہلاتے ہیں، انہیں مسلم و ہندو اکثریتوں میں تقسیم کرنا چاہئے ۔ اس وجہ سے بمبئی، بنارس، اور دیگر مقامات پر رائے شماری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔ یہ صرف دیسی ریاستیں ہی تھیں جن کا فیصلہ نہیں کیا گیا تھا ۔

چوتھے، بھارت دو قومی نظریہ کو مانے نہ مانے جو ایک علمی بحث ہے، لیکن اس نے تقسیم کو قبول کیا اور تب سے وہ قانونی اور اخلاقی طور پر اس فیصلے کا پابند ہے جو اس نے پاکستان کے ساتھ کشمیر کے بارے میں کیا اور جس کا اس نے خود بار بار عہد کیا ہے ۔ اگر کشمیر ایک علامت

ہے تو بھارت خود ہی اپنے لئے علامتیں وضع کرنے کا مجاز نہیں اور دوسروں کے توڑ پر ۔ نیز جیسا کہ جے پرکاش نرائن نے کہا ہے کہ اگر بھارت عوام کشمیر کو حق خود ارادیت عطا کرے تو یہ اس کے غیر مذہبی اور جمہوری ہونے کا زیادہ بڑا مظاہرہ ہوگا ۔

آخر میں، یہ دلیل کہ استصواب سے فرقہ وارانہ فسادات پھر برپا ہو جائیں گے ۔ حقیقی اندیشہ کی بجائے دھمکی معلوم ہوتی ہے ۔ اگر یہ دھمکی بھی ہو تو اس سے بھارتی حکومت کا اپنے عوام پر نمایاں عدم اعتماد اور اپنی ۱۸ سالہ حکومت کی ناکامی کا اعتراف ظاہر ہوتا ہے ۔ بہرحال یہ بات بنیادی اصولوں کو نظر انداز کرنے کے لیے کافی وجہ فراہم نہیں کرتی ۔

تنازعے کا باعث :

(۱) جب برطانیہ کے ہاتھوں سے اس کی جانشین ریاستوں، بھارت اور پاکستان کو اقتدار منتقل کرنے کا فیصلہ ہوا تو تقریباً برصغیر کی ۵۶۵ دیسی ریاستوں کا مستقبل مبہم ہی چھوڑ دیا گیا ۔ بعد میں قانون آزادی ہند نے اس بارے میں صرف اتنا ہی کہا کہ :۔

> ”مقررہ دن (۱۵ اگست ۱۹۴۷ء) سے ہز میجسٹی کی ریاست ہائے ہند پر بالا دستی ختم ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ہی وہ تمام معاہدے اور اقرار نامے بھی جو قانون ہذا کی منظوری کے دن نافذ العمل تھے ۔ وہ تمام ذمہ داریاں جو اس دن تک ریاستہائے ہندیا اُن کے والیان کے سلسلے میں ہز میجسٹی پر عاید ہوتی تھیں اور جملہ طاقتیں، حقوق، اختیارات یا احاطے جنہیں ہز میجسٹی اس دن تک دیسی ریاستوں میں یا ان کی بابت برت سکتے تھے ختم ہو جاتے ہیں۔“

کچھ دن بعد آخری وائسرائے لارڈ مونٹ بیٹن نے سرکاری نقطہ نظر کی توضیح کی کوشش کی ۔ والیان ریاست سے گفتگو کرتے ہوئے انھوں نے بتایا کہ گو نظری طور پر وہ بھارت یا پاکستان کے ساتھ الحاق کرنے میں آزاد ہیں ۔ لیکن اس سلسلے میں انھیں جغرافیائی تقاضوں کو

نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے۔ بعد میں انھوں نے کہا "آپ اس مستعمرہ کی حکومت سے بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتے جو آپ کی ہمسایہ ہے۔ بالکل ویسے ہی جیسے آپ اپنی اس رعایا سے بھاگ نہیں سکتے۔ جس کی بہبودی کے آپ ذمہ دار ہیں"۔

اس کے معنی یہ تھے کہ بھارت یا پاکستان سے الحاق کرنے میں محض والیٔ ریاست کی اپنی خواہش کو دخل نہیں ہے بلکہ اس ریاست کے جغرافیائی اور دیگر روابط کو اس سلسلہ میں زیادہ اہمیت ہوگی۔ بعد میں بھارت اور پاکستان میں اچھے تعلقات کے پیش نظر تقریبًا اسی اصول پر اتفاق کیا گیا کہ جہاں ریاست کا والی اکثریتی فرقہ کے علاوہ کسی فرقے سے تعلق رکھتا ہو اور ریاست میں اس مستعمرہ سے الحاق نہ کیا ہو جس کا اکثریتی فرقہ بھی وہی ہو تو یہ سوال کہ اس ریاست میں دونوں میں سے کسی ایک مستعمرہ کے ساتھ آخری طور پر الحاق کرلیا ہے یا نہیں، عوام کی مرضی سے طے کیا جائے گا۔

۵۶۵ ریاستوں میں سے صرف تین میں دشواریاں پیدا ہوئیں (اور اتفاق سے تینوں بھارت کے برخود غلط اقدامات سے)، یہ تینوں ریاستیں جوناگڑھ، حیدر آباد اور کشمیر کی ریاستیں تھیں۔

نواب جوناگڑھ نے آزادی کے بعد پاکستان سے الحاق کا فیصلہ کیا۔ بھارتی حکومت نے اعتراض کیا کہ یہ کاٹھیاواڑ کی پڑوسی ریاست کے لئے خطرہ ہے اور پھر جوناگڑھ کی سرحد پر اپنی فوج بھیج دی جس کی پشت پناہی کو ٹینک اور لڑاکا جہاز بھی تھے۔ ریاست کے ڈاک، تار اور فضائی مواصلات کاٹ دیئے گئے اور کوئلہ اور بجلی کی وہ رسد جو اُسے معمولاً فراہم کی جاتی تھی بند کر دی گئی۔

حکومت پاکستان نے یہ اتفاق کیا کہ ان حالات وظروف پر بحث کی جائے جن میں کسی ریاست میں رائے شماری کرائی جائے لیکن بھارتی حکومت جھٹ پٹ کارروائی کرنا چاہتی تھی۔ اس نے جلد ہی ریاست کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ پاکستان نے بھارت سے

احتجاج کیا اور بعد میں سلامتی کونسل سے۔ جہاں اس کی شکایت اب تک زیر غور ہے۔

حیدرآباد نے جو نسبتاً بہت بڑی ریاست تھی، خودمختار رہنے کا فیصلہ کیا لیکن بعد میں بھارتی حکومت اور خود لارڈ مونٹ بیٹن کے دباؤ اور دھمکیوں سے مجبور ہو کر نظام نے بھارت کے ساتھ ایک سال کے لیے اسٹینڈڑ اسٹل معاہدہ کر لیا لیکن اس شرط پر کہ یہ کسی طرح مستقل طور پر اس کے حقوق خود مختاری پر اثرانداز نہیں ہوگا، ابھی معاہدہ ختم ہونے (ستمبر ۱۹۴۸ء) میں دو ہی مہینے باقی تھے کہ بھارت نے اس ریاست کا بھی الحاق حاصل کر لیا۔ گفت و شنید اور رضامندی سے نہیں بلکہ بھرپور پیمانے پر مسلح مداخلت سے۔ حیدرآباد نے اقوام متحدہ سے شکایت کی مگر اس کا بھی کوئی نتیجہ نہ نکلا۔

تیسری ریاست جموں و کشمیر کی تھی۔ یہاں بھی چونکہ جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا اصول چلا۔ اور قبضہ دس میں سے نو قانون ثابت ہوا ہے۔

(۲) تاوقتیکہ الحاق کا فیصلہ ہو، مہاراجہ جموں و کشمیر نے پاکستان کے ساتھ ایک تجارتی معاہدہ کیا، جو یوم آزادی یعنی ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء سے روبہ عمل آیا۔ لہٰذا جو انتظامات ریاست اور سبکدوش برطانوی حکومت کے مابین تھے، انھیں ریاست اور حکومتِ پاکستان کے مابین جاری رہنا تھا۔ مہاراجہ نے بھارت کو بھی ایسا ہی معاہدہ پیش کیا لیکن یہ بروئے کار نہ آسکا۔

حالات پر بازگشتی نظر ڈالی جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ مہاراجہ وقت حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا قبل اس کے کہ وہ خود کو رعایا کے خلافِ مرضی فیصلے کا اعلان کرنے کے لئے تیار پائے اس کے لئے زمین ہموار کرنی تھی اور حفاظت کی راہیں پیدا کرنی تھیں۔ پاکستان کے ساتھ معاہدہ پر دستخط کرنے کے بعد جو پہلا ہی قدم اٹھایا وہ یہ تھا کہ بھارت کے پڑوسی علاقوں سے نہایت جنگ جو قسم کی مسلم دشمن جماعتوں کے افراد کی بھاری تعداد ریاست میں داخل کرنا شروع کر دی۔ ان میں جو سب سے بڑی جماعت تھی (اور اب بھی ہے) وہ راشٹریہ سیوک سنگھ ہے جو کیو کلکس کلان کی ہندو شکل ہے۔ گاندھی کے قتل کا منصوبہ زیادہ تر اسی

جماعت کے ارکین نے بنایا اور اسی نے اسے عملی جامہ پہنایا۔ ایک اندازہ کے مطابق اس طرح جو لوگ داخل کئے گئے ان کی تعداد ½ ۲ لاکھ سے کافی اوپر تھی۔

جیسا کہ کئی اور نامہ نگاروں کی طرح ٹائمز لنڈن کے نامہ نگار خصوصی نے بیان کیا ہے، ریاست کی افواج کی مدد سے جن کا سربراہ خود مہاراجہ تھا، ان مذہبی دیوانوں نے جو گاؤں گاؤں پھیل گئے تھے، مسلمان آبادی کا بڑی بے رحمی سے نام و نشان مٹانے کا سلسلہ شروع کیا۔ اسی نامہ نگار کے بیان کے مطابق ۲ لاکھ سینتیس ہزار مسلمان یا تو باقاعدہ طور پر ملیا میٹ کر دیئے گئے یا اُن کو سرحد کے پار بھگا دیا گیا۔ اس کی زد سب سے زیادہ پونچھ کے علاقے پر پڑی جو ریاست کے جنوب میں واقع تھا۔ اس کے بارے میں 'ڈیلی میل' لنڈن میں یہ خبر شائع ہوئی:۔

"پونچھ کو جہاں ۹۵ فی صد مسلمان ہیں، یہ فخر رہا ہے کہ آبادی میں کل ۵ لاکھ ہونے کے باوجود اس نے ہندوستان کے کسی بھی حصّے سے زیادہ سپاہی فراہم کیے ہیں اور زیادہ تمغے حاصل لئے ہیں" قدرتی طور پر اس علاقے پر سب سے پہلے قابو پانے کی ضرورت تھی۔

نیو یارک ٹائمز کے نامہ نگار رابرٹ ٹرمبل نے اپنے اخبار کو اطلاع دی کہ "جموں مسلمانوں کے قتل عام کا پہلا ٹھکانہ تھا۔"

اس کے بعد جو کچھ ہوا اسے اجمالاً خود شیخ عبداللہ کے الفاظ میں ہی بیان کیا جا سکتا ہے جو اُن دنوں جیل سے رہا ہوئے تھے اور مہاراجہ اور بھارتی حکومت نے انھیں بھارت سے الحاق کے لئے بالکل راضی کر لیا تھا۔ پونچھ کے واقعات کا شیخ عبداللہ نے جو تذکرہ کیا تھا۔ اس کا کچھ حصّہ ایک بھارتی نیوز ایجنسی کی رپورٹ کے مطابق حسب ذیل ہے:۔

"..... ریاست کشمیر نے اپنی سپاہ بھیجی اور پونچھ میں کہرام مچ گیا۔ لیکن انھوں (شیخ عبداللہ) نے کہا وہاں کی زیادہ تر بالغ آبادی انڈین آرمی کے سبکدوش فوجیوں پر مشتمل تھی جن کے جہلم اور راولپنڈی کے لوگوں سے قریبی رشتے تھے وہ اپنے اہل وعیال کو سرحد کے پار چھوڑ

آئے اور ہتھیار سج کر سامنے آ گئے۔۔۔۔"

اُن خوف و ہراس کے مارے پانچ لاکھ کشمیریوں نے جو اپنی جانیں بچا کر سرحد کے پار پہنچ گئے، رنج و مصیبت کی ایسی بھیانک داستانیں سنائیں کہ وہاں کے لوگ تڑپ اُٹھے۔ بالخصوص شمال مغربی سرحدی علاقے کے قبائلی جو اسلام کے ساتھ اپنی والہانہ اور بے پناہ عقیدت کے لیے مشہور ہیں۔ اس طرح جوں جوں مہاراجہ کے مسلمانوں پر وحشیانہ ظلم و ستم کا چرچا پھیلتا گیا، اس کے خلاف عوام کی مزاحمت بھی بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ مہاراج کی افواج تتر بتر ہو گئیں اور خود مہاراجہ کو اپنا دارالحکومت سری نگر چھوڑ کر جموں بھاگ جانا پڑا۔

عوام اور حکومت میں یہ کشمکش انتہائی شدت کے ساتھ ستمبر سے اکتوبر ۴۶ء تک جاری رہی اور ۲۴ اکتوبر کو عوام نے جو علاقہ آزاد ہو چکا تھا اسی میں حکومت آزاد کشمیر قائم کر دی۔

ستمبر سے اکتوبر تک کے زمانے میں حکومت پاکستان اور ریاست کے مابین متعدد مراسلات کا تبادلہ ہوا۔ حکومت پاکستان نے ریاست کے مسلمانوں پر وسیع پیمانے پر مظالم کے خلاف احتجاج کیا اور ریاستی حکومت نے بہانہ کے طور پر پاکستان کو ریاست پر چھاپے مروانے کا الزام لگایا۔ ریاست نے خود ہی کشمیر میں غیر جانبدارانہ تحقیقات کی تجویز کی جس پر پاکستان نے فوراً اتفاق کیا لیکن ریاستی حکومت نے خود ہی اس کو کھٹائی میں ڈال دیا۔ ۱۵ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو نئے وزیر اعظم مہر چند مہاجن نے قائد اعظم کو جو اس وقت پاکستانی ریاست کے گورنر جنرل تھے ایک پُر زور تار بھیجا جس میں پاکستان کے خلاف متعدد الزامات عائد کئے گئے تھے۔ اور "خارجی امداد" طلب کرنے کی دھمکی دی گئی تھی۔ قائد اعظم نے مہاراجہ کو جواب دیتے ہوئے اس تار کے تہدید آمیز لہجہ کے خلاف احتجاج کیا، الزامات سے انکار کیا، ریاست میں مسلمانوں کی مسلسل خون ریزی کی طرف پھر توجہ دلائی اور سارے معاملات کی بے لاگ تحقیق کی ضرورت کا اعادہ کیا۔ انھوں نے مہاراجہ کو اپنے تمام وعدوں کو پورا کرنے کے ارادے کا یقین دلایا۔ اس

مراسلے کا کوئی جواب موصول نہ ہوا۔ یہاں تک کہ حکومت پاکستان کا جو افسر اعلیٰ بھیجا گیا تھا مہاراجہ نے اسے ملنے سے بھی انکار کر دیا۔

اس وقت تک مہاراجہ، اور غالباً بھارتی حکومت کے لئے بھی حالات کی رفتار کچھ زیادہ ہی تیز تھی پھر بھی جو کچھ ہو رہا تھا وہ ان کے اندازوں کے مطابق تھا۔ ۲۶؍ اکتوبر کو مہاراجہ نے جموں سے جہاں اس نے پناہ لی تھی، بھارتی حکومت کو پاکستانی چھاپہ ماروں کے خلاف مسلح امداد کی درخواست کی۔ بھارت کی دفاعی کمیٹی نے فوراً اجلاس کیا اور فیصلہ کیا کہ سب سے فوری ضرورت اسلحہ اور گولہ بارود پہنچانا ہے۔ لہٰذا اسی صبح بھارت کی بری فضائی اور بحری افواج کو ہدایات دی گئیں کہ مقررہ سڑکوں کے ذریعہ کشمیر کو سپاہ بھیجنے کا بندوبست کیا جائے۔ ساتھ ہی بھارت کے اسٹیٹ سیکرٹری وی۔ پی مینن کو مہاراجہ سے دستاویزِ الحاق حاصل کرنے کے لیے سری نگر بھیجا گیا —— وہ دوسرے ہی دن مہاراجہ کا دستخطی دستاویز لے کر واپس آگیا جسے بھارت کی جانب سے خود لارڈ ماونٹ بیٹن نے منظور کیا اور پھر بھارتی افواج کشمیر میں داخل ہوتی شروع ہوگئیں۔ اس طرح سارا منصوبہ خوب کامیاب ثابت ہوا۔ ایک مصنف[لہ] نے بیان کیا ہے کہ کس طرح مہاراجہ نے ہمیشہ ریاست کی ہندو اکثریت والی طاقت کے ساتھ الحاق کو اپنے خاندان کی بقاء کو واحد ضمانت تصوّر کیا۔

قانون حکومت ہند ۱۹۳۵ء میں ایک ایسی کل ہند فیڈریشن منضبط کی گئی تھی برطانوی ہند کے صوبجات اور دیسی ریاستوں پر مشتمل ہو۔ اس منصوبہ کے وفاقی حصہ پر اس لئے عملدرآمد نہ ہو سکا۔ کیونکہ برطانوی ہند کے خود اختیار صوبوں کی کارکردگی کے لئے آئینی ضابطہ کہیں مارچ ۱۹۳۷ء میں جا کر تیار ہوا۔ اور اس کے بعد دوسری عالمی جنگ چھڑ گئی۔ لیکن مہاراجہ کشمیر ان والیانِ ریاست میں سے تھا جنھوں نے سب سے پہلے دستاویزِ الحاق پر دستخط کئے۔ اگرچہ ریاست میں دستور ساز اسمبلی قائم ہو چکی تھی۔ پھر بھی مہاراجہ نے یہ

[لہ] REVOLUTION IN KASMIR از ضیاء الاسلام (شائع شدہ جون ۴۸ء)

ضروری خیال نہ کیا کہ ایسے اہم معاملہ کو اس کے سامنے پیش کرے۔ اس کے برعکس جب بعد میں اسمبلی کے ایک رکن نے اس کے خلاف احتجاج کیا تو ریاست کے وزیراعظم سرگوپال سوامی آئینگر نے کہا کہ ریاست اور بھارت کے آیندہ آئینی تعلقات اسمبلی کے اختیارات کے تحت نہیں آتے۔

ازاں بعد ۱۹۴۲ء میں برصغیر کی تجویز پر ریاستی حکومت نے پھر کھلم کھلا وحدانی حکومت کی تائید کی جس کے خلاف ریاست کی مسلم کانفرنس پارٹی نے شدید احتجاج کیا۔

جب ۴۷ - ۱۹۴۶ء میں تقسیم ہونے ہی والی تھی تو بھارت کی سیاسی جماعت کانگریس کے نیتاؤں نے بڑی سرگرمی دکھانی شروع کی۔ یہ لوگ —— اور اس میں گاندھی بھی شامل تھا —— بار بار کشمیر آتے اور مہاراجہ سے مشورہ کرتے۔ یہ گمان غالب انہی کے مشورہ پر ہی وزیراعظم رام چند کاک کو عہدۂ وزارت سے الگ کر دیا گیا۔ کیونکہ وہ مہاراجہ کو بھارت سے الحاق کے خلاف عوامی جذبہ پر متنبہ کر رہا تھا۔

اس عوامی جذبہ سے خود شیخ عبداللہ بھی بے خبر نہ تھے جو ارادتاً بھارت کے ساتھ الحاق کا بندوبست کر رہے تھے۔ انھوں نے اس کی طرف، بالواسطہ ہی سہی، اپنی ایک تقریر میں جو الحاق کے اعلان سے تھوڑے ہی دن پہلے کی گئی تھی، اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ریاست کے مسلمان خائف ہیں کہ ریاست کا بھارت سے الحاق ممکن ہے ان کے لیے خطرہ کا باعث ہو"

یہ کہ مہاراجہ نے جو ارادہ کرنا تھا پہلے ہی سے کر لیا تھا اور عوامی جذبات کے باوجود (بلکہ اسی کی وجہ سے) نہ صرف ان پر جو اس کے خفیہ منصوبوں سے واقف تھے بلکہ عموماً دیگر مشاہدین پر بھی بخوبی ظاہر تھا۔ چنانچہ ہفتہ وار "اکانومسٹ" (لندن) نے لکھا :-

"خیال کیا جاتا ہے کہ کشمیر کا ہندو مہاراجہ بھارت سے الحاق کی طرف مائل ہے اور اگر مطلق العنانی کے حق ہی کو واحد اصول تسلیم کیا جائے تو غالباً وہ کبھی نہ کبھی یہ قدم ضرور اٹھائیگا۔"

نیو اسٹیٹسمین (جس کا نام اس وقت اسٹیٹسمین اینڈ نائیشن، تھا) لکھا: "کشمیر کی نمایاں طور پر اکثریتی مسلمان آبادی پر ایک ہندو راجہ بڑی بُری طرح، ظالمانہ قسم کی حکومت کرتا ہے اور وہ کامل خود مختاری یا بھارت سے الحاق کے مابین ڈانواں رہا ہے"

جب "الحاق" ہو گیا تو حکومتِ پاکستان نے اس کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کی وجوہ ناقابل تردید تھیں۔

ا۔ یہ تقسیم کے بنیادی اصولوں کے خلاف تھا۔

ب۔ یہ عوام کی مرضی کے خلاف تھا جس کا عملاً ثبوت فراہم کیا جا سکتا ہے۔

ج۔ پہلے ہی ایک ساکن معاہدہ موجود تھا جو موجودہ صورت حال میں یک طرفہ تبدیلی کے خلاف قانونی رکاوٹ تھا۔

د۔ جب الحاق پیش کیا گیا تو مہاراجہ فرار ہو چکا تھا۔ اور عوامی بغاوت کے باعث ریاست کے کافی بڑے حصے سے محروم ہو چکا تھا۔

ہ۔ بھارت کا "الحاق" کو منظور کرنا اس کے اپنے اعتراف کے مطابق عارضی اور مشروط تھا اس قسم کی منظوری کے لیے کوئی قانونی جواز موجود نہ تھا۔

بھارت اور حکومت کشمیر کے مابین یہ سارا معاملہ بالکل فاسد تھا پھر بھی بھارت نے اسے یہ کہہ کر قدر و منزلت کا شائبہ عطا کرنے کی کوشش کی کہ یہ محض عارضی اور مشروط ہے اور آخری فیصلہ قطعی طور پر کشمیری عوام کی مرضی کے مطابق ہوگا۔ کیمبل جانسن نے اپنی کتاب "مشن ود مونٹ بیٹن" میں لکھا ہے کہ مونٹ بیٹن نے اس بات پر زور دیا کہ اُن کی حکومت نے اپنی جانب سے الحاق کی پیشکش قبول کرنے کے بارے میں جو جواب مہاراجہ کو روانہ کرنے کی ہدایت کی ہے انھیں یہ اضافہ کرنے کی اجازت دی گئی ہے کہ جونہی قانون و امن بحال ہو جائیں اس کی توثیق رائے عامہ کے استصواب پر موقوف ہے۔ یہ اصول نہرو نے فی الفور بے تکلفی سے قبول کیا اور خود ہی اپنے طور پر پیش بھی کیا۔ اور گورنر جنرل

نے مہاراجہ کو "منظوری" کا جو مراسلہ بھیجا تھا اس میں یہ بھی تحریر تھا کہ "اس پالیسی کے مطابق کہ جہاں کہیں الحاق کا سوال متنازعہ ہو، الحاق کا مسئلہ ریاست کے عوام ہی کی مرضی کے مطابق طے ہو، میری حکومت کی خواہش یہ ہے کہ کشمیر میں جونہی قانون و امن بحال ہو جائیں اور اس کی سرزمین "حملہ آوروں" (کشمیر میں تشدد کی مخالفت کرنے والے عوام کے لیے بھارتی حکومت کی پروپیگنڈا کی خاطر اصطلاح) سے خالی ہو جائے گی، تو پھر ریاست کے الحاق کا سوال عوام کی مرضی سے طے کیا جائے گا۔

بھارتی وزیر اعظم مسٹر نہرو نے برطانیہ اور پاکستان کے وزرائے اعظم کو بھارتی کارروائی سے مطلع کرتے ہوئے یہ ضروری سمجھا کہ اسے ریاست میں رائے شماری کی یقین دہانی کا جامہ پہنایا جائے۔ تقریباً اسی زمانے میں بھارتی وزیر اعظم نے ایک نشریہ میں یہ کہا کہ "ہم نے یہ اعلان کیا ہے کہ کشمیر کے مقدر کا فیصلہ بالآخر عوام ہی کریں گے۔ ہم نے یہ وعدہ نہ صرف کشمیری عوام بلکہ ساری دنیا سے کیا ہے اور مہاراجہ نے اس کی تصدیق کی ہے، ہم اس سے منہ نہیں موڑینگے اور نہ منہ ہی موڑ سکتے ہیں۔ ہم تیار ہیں کہ جب امن و قانون اور نظم و ضبط بحال ہو جائیں تو اقوام متحدہ جیسے بین الاقوامی ادارہ کے زیر نگرانی رائے شماری کرائیں۔ ہم اسے عوام کا منصفانہ اور عادلانہ استصواب چاہتے ہیں۔ اور ہم ان کے فیصلے کو قبول کریں گے میں اس سے زیادہ مناسب اور منصفانہ کسی پیش کش کا تصور نہیں کر سکتا۔ یہ کامرانی کے لمحے میں محض ایک فیاضانہ عنایت معلوم ہوتی ہے۔

بعدہٗ کئی سال تک بڑے بڑے ہندوستانی حکام بار بار ہر قومی و ہندوستانی منہ سے الحاق کے تمام تر عارضی اور آخری فیصلہ رائے شماری پر موقوف ہونے کی اس یقین دہانی کا اعلان کرتے رہے۔ ازاں بعد یہ روش بدل گئی اور بھارت سے "الحاق" ناقابلِ تنسیخ ہو گیا۔ اور ریاست بھارت کا اٹوٹ حصہ بن گئی۔

(باقی آئندہ)